TOWARDS EQUALITY, JUSTICE AND FRATERNITY
INSTITUTE OF OBJECTIVE STUDIES
1986-2016
30 Years
Creating A Better Tomorrow Through Law

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دھلی

کی تیسویں سالگرہ تقریبات کے پروگرام سے متعلق دوروزہ قومی سمینار

بعنوان

''ہندوستان کے موجودہ سیاق میں مساوات، انصاف اور بھائی چارے کی جانب: ایک بہتر مستقبل کی تخلیق، بذریعہ قانون''

(شعبۂ انگریزی، عالیہ یونیورسٹی کولکاتہ کے اشتراک سے)

ALIAH UNIVERSITY
Advancement of Education and Culture

بتاریخ: ۲۲، ۲۳/اپریل ۲۰۱۷

بمقام: سٹی کیمپس، پارک سرکس، کولکاتہ

تعارفی خاکہ

انسانیت نے ہمیشہ ایک بہتر مستقبل کے تعمیر کی کوشش کی ہے۔ یہ جدوجہد مختلف سطحوں پر جاری رہی جس میں جسمانی، منطقی، جذباتی اور اخلاقی پہلو شامل ہیں، تاہم حتمی تجزیے نے یہ بات طے کر دی کہ پوری انسانیت کی زندگی کے معیار کو بہتر بنانے اور بلند کرنے کے لیے اعلیٰ قدروں پر مبنی اصولوں کی روشنی میں ''درست راہ'' پر گامزن ہونا ضروری ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب عقل، ہدایت ربانی اور سچائی کے درمیان توازن پیدا کیا جائے۔ حتمی تجزیے کے مطابق یہی سچائی توازن پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ انسان دراصل ایک روحانی واخلاقی وجود ہے۔ اسی لیے انسان موقع پرستی کی سطح سے بلند ہو کر کام کرتا ہے اور بلند اخلاقی قدروں کے حصول کی جدوجہد کرتا ہے۔ یہی اس کے روحانی واخلاقی وجود کی خوبی ہے اور حقیقی مفہوم میں کامیابی اور مقاصد کے حصول میں اعلیٰ معیار کا حصول اس جدوجہد کا محور ہے۔

اس پس منظر میں انسانیت نے ہمیشہ بہتر مستقبل کے لیے سخت جدوجہد کی، تاہم اس کا سورج بآسانی اور ازخود طلوع نہیں ہوتا۔ آج گلوبلائزڈ دنیا کا عہد ہے یا دنیا اس طرف گامزن ہے اور ٹکنالوجی کے ذریعہ اسے منظّم بھی کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ماضی قریب کا ایک بار پھر اس طور پر جائزہ لیا جائے تاکہ مستقبل کے اندازوں کو زیر بحث لایا جا سکے۔ یہاں اس حقیقت کے اعتراف سے مفر نہیں کہ ٹکنالوجی میں بذات خود زوال کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ اس مثال سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۹۸ میں کوڈک (Kodak) میں ملازمین کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار تھی اور اس نے دنیا بھر کے فوٹو کاغذات (Photo Papers) کی 85% فروخت کیے تھے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے محض چند سالوں میں عددی تصویری ٹکنالوجی کے رونما ہونے کے سبب اس کا کاروبار ناپید ہو گیا۔ یہ کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق آئندہ دس سالوں میں بہت سی صنعتیں اپنی کبرسنی کے باعث منظر عام سے غائب ہو جائیں گی اور ان کی جگہ نئی چیز منظر عام پر آ جائیں گی۔ ٹکنالوجی میں زوال کا عمل اس وقت اور تیز ہو جائے گا جب مصنوعی ذہانت کا تعارف ہوگا۔ اسی لیے صحت، مواصلات اور تعلیم وغیرہ میں ایک انقلاب کی ضرورت ہے۔

بیمہ کمپنیوں کو بڑی تبدیلی اور چیلنجز کا سامنا ہوگا، کمپیوٹر نہایت تیزی سے اس بات کے اہل ہو جائیں گے کہ وہ دنیا کو صحیح اور بہتر طریقے سے سمجھ سکیں، قانون کا پیشہ نوے فیصد کم ہو جائے گا، صرف ماہرین ہی باقی رہ جائیں گے۔ ۲۰۳۰ تک کمپیوٹر انسانوں سے زیادہ ذہین ہوں گے۔ ۲۰۱۸ میں پہلی بغیر ڈرائیور کے چلنے والی کاریں عوام کے لیے فراہم ہو جائیں گی۔ ۲۰۲۰ تک پوری آٹو موبائیل صنعت درہم برہم ہو کر رہ جائے گی۔ یہ آئندہ ظاہر ہونے والی تبدیلیوں پر سیر حاصل گفتگو کا صحیح مقام نہیں ہے۔ اس لیے مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ فضائی ٹکنالوجی، معلوماتی اور مواصلاتی ٹکنالوجی، نانو ٹکنالوجی اور دیگر اختصاصی شاخیں دنیا بھر میں ہر شخص پر اثر انداز ہوں گی۔

یہ پس منظر اس بات کا متقاضی ہے کہ ہندوستان نہایت دانش مندی سے اپنا کردار ادا کرے، تاہم بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ بہت معمولی سیاسی فائدوں کے حصول کے لیے ہندوستان اپنے شہریوں کو مسلسل متنازع میدانوں کے مصنوعی اور جذباتی ماحول میں دھکیل رہا ہے۔ ان قوتوں کی حوصلہ افزائی کسی نہ کسی شکل میں موجودہ نظام سے ہوتی ہے، پھر پورے حساب کو برابر کرنے کے لیے ترقی کو ایک نعرے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ سیاسی پروپیگنڈے کو ہر چیز پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ میڈیا کو بھی اس کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جمہوری ادارے بحران کا شکار ہیں، کوتاہی کو عدلیہ کے سر رکھ دیا جاتا ہے جو خود اپنے ہی وزن تلے کراہ رہی ہے۔ کیوں کہ زیر سماعت مقدمات عروج پر ہیں جس کا اعتراف خود ہندوستان کے چیف جسٹس نے کرتے ہوئے کہا کہ عدلیہ سخت دباؤ میں ہے۔ لہٰذا عدلیہ کے لیے منظّم تائید وحمایت خود غور اور تحقیق کا معاملہ ہے۔

ایک اندازے کے مطابق صرف پانچ فیصد مقدمات فیصل کیے جاتے ہیں جب کہ یہ مقولہ کہ ''انصاف میں تاخیر انصاف کو رد کیے جانے کے مترادف ہے'' ان تمام مظلومین کی زبانوں پر ہے جو عدلیہ کے فیصلوں کے منتظر ہیں۔ قوت نافذہ کا اختیار مقنّنہ اور عدلیہ کے برابر ہے۔ پھر بھی سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ انسدادی اقدامات کا کوئی امکان نہیں۔ ایسی صورت حال میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ہندوستانی نظام کے مؤثر پہلو اس بہتر مستقبل کی تخلیق کے لیے کتنے مطلوبہ نتائج فراہم کر سکتے ہیں؟ جو محض ایک سیاسی تصور نہیں ہے بلکہ ایک شرط بھی ہے اور عہد بھی ہے اور اس عظیم ملک کے ہر شہری کا فریضہ بھی ہے۔

آر ایس ایس، بی جے پی اور آر ایس ایس کے تحت رجسٹرڈ درجنوں تنظیموں کی نعرے بازی کی سیاست اور قوم پرستی کی تہذیبی جارحیت نے صورت حال کو تشویش ناک بنا دیا ہے۔ بے بنیاد مسائل کو صرف اس لیے جنم دیا جاتا ہے کہ جو لوگ ان کے ساتھ نہیں ہیں انہیں ملک دشمن ثابت کیا جا سکے۔ یہ مناسب ہوگا کہ اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ ہندوتوا کو ہندوازم کی طرح مثبت تاریخی ورثے کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اسے تو جان بوجھ کر اس لیے تراشا گیا ہے کہ علاحدگی پسند ہندوؤں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ ۱۹۲۳ میں وی ڈی ساورکر کے ذریعہ پیش کردہ ہندوتوا کو ۱۹۴۷ میں آزادی ہند کے وقت بھی کوئی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔

گاندھی جی کے قتل کی منصوبہ بندی اور اس کا نفاذ جارحانہ ہندو قوم پرستی کے سورماؤں کے ذریعہ کیا گیا۔ یہ چہرہ انتخابات سے قبل ان فرقہ ورانہ فسادات کی سرپرستی کے باعث واضح طور پر ظاہر ہوا جنہیں سیاسی تحریک کو قوت بخشنے کے لیے آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ امن وسلامتی کے وقت یہی زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں مسلمانوں کو حاشیہ پر رکھنے اور دور رکھنے کی بنیاد ہوتی ہے۔ یہاں یہ واضح کرنا بھی مناسب ہوگا کہ آر ایس ایس کے فکری باپ وی ڈی ساورکر ہی وہ شخص تھے جنہوں نے پہلی بار ''دوقومی نظریے'' کا آوازہ بلند کیا جسے بعد میں مسلم لیگ نے اپنایا اور وہی تقسیم ہند کی بنیاد بنی۔

بہر حال ہندوتوا کی حقیقی دھمکی اب کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ بی جے پی مرکز میں برسر اقتدار ہے۔ اس بات کا اندیشہ ہے کہ گجرات کے نمونے کا ہر ممکن طریقہ سے اعادہ کیا جائے، جیسا کہ مظفر نگر میں ۲۰۱۳ میں ہوا۔ اگر چہ انتخابات ترقی اور غربت کے خاتمے کے نام پر لڑے گئے، لیکن ترقی کا بمشکل ہی کوئی کام ہوا، جب کہ ہر محاذ پر ہندوستان کو ہندو ملک میں بدلنے کی جنونی تحریک برپا ہے۔ حکومت کا اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ حقیقی رہنمایانہ قوت، حتی کہ سرکاری مشینری بھی آر ایس ایس

اوراس کے اتحادی ہیں۔اس لیے گجرات کے بدنام زمانہ نمونے کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔انتخابی فتح کے بعد سرکاری نظام کو ذرائع ابلاغ کو مطلوبہ خطوط پر منتقل کرنے کے ذریعہ تازہ مہم جوئی کے لیے استعمال کیا جارہا ہے، دستور ہند کی روح کو مجروح کرنے کی حد تک۔ ہندوستانی نظام، تہذیب، تاریخ اور تعلیم کے نظام کا ہندوتوا کے نقطۂ نظر سے ازسرنو جائزہ لیا جارہا ہے۔ ذرائع کو تاریخ دوبارہ لکھنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔اس بات کی مہم چل رہی ہے کہ مطلوبہ ماضی کی تخلیق کی جائے۔انڈین کونسل برائے تاریخی تحقیق، قومی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت، قومی ادارے برائے تبدیلی ہند وغیرہ اسی کام کے لیے سخت جدوجہد کررہے ہیں۔ان اداروں کے ذریعہ اسکول اوراعلیٰ تعلیم کو ایک طے شدہ ایجنڈے پر منظّم کیا جارہا ہے۔تاہم باشعور اشخاص، خاص طور پر دانشور دنیا ان اقدامات کا سنجیدگی سے مشاہدہ کررہی ہے۔امرتیا سین کہتے ہیں: ''سادہ سچائی ہندوتوا کے نقطۂ نگاہ کی تائید نہیں کرتی اور خوبصورت جھوٹ تنقیدی جانچ پڑتال کو تحفظ فراہم نہیں کرتا''۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ فرقہ وارانہ تاریخ فرقہ واریت کو پیدا کرتی ہے اور فرقہ واریت فرقہ وارانہ تاریخ کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، دونوں ایک دوسرے کو زندگی اور توانائی بخشتے ہیں۔اب عوام پوری طرح ہوشیار ہیں اور تہذیب اور قوم کی حیثیت سے ہندوستان کو بچانے کے لیے ایک جدوجہد کا آغاز ہونا چاہیے۔

ایک بہتر مستقبل سے فائدہ اٹھانے کے لیے نہایت طاقتور اور منصوبہ بند کوششیں لازمی ہیں، کوششیں اس بات پر مرکوز ہونی چاہئیں کہ معاصر ہندوستان میں مساوات، انصاف اور بھائی چارے کی جانب پیش قدمی کے لیے ذہن سازی کی جائے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہندوتوا کی ریشہ دوانیاں ملک کے لیے مساوات (مثلاً قانون کے سامنے مساوات) اور بھائی چارے کے ان پہلوؤں کے حصول کو جو دستور ہند کے دیباچے میں قومی مقاصد کے تحت درج کیے گئے ہیں ناکام بنائیں گی۔ بار بار رونما ہونے والے فسادات اور ان فسادات میں غنڈوں کے ذریعہ کیے جانے والے حملوں کے شکار تھانوں میں امتیازی سلوک کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس وقت وہ قانون کے سامنے مساوات اور بھائی چارے کے دعووں کے کھوکھلے پن کا عملی تجربہ کرتے ہیں۔جیسا کہ جسٹس اے ایم احمدی کہتے ہیں: ''نفرت بھری گفتگو اور فرقہ وارانہ تشدد بھائی چارے کے دستوری مقاصد کو تباہ کردیتے ہیں''۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہندوستانی، سماجی، ثقافتی اور فلسفیانہ نظام کا وجود ہی ذہنی ہم آہنگی، سلامتی اور بھائی چارے کو عام کرنے کا سبب ہے۔تاریخی ثبوت سے قطع نظر صرف یہ بات ہی کافی ہے کہ ہندوستانی تنوع ہمیشہ ہندوستان کی سماجی، تہذیبی بلکہ سیاسی زندگی کے نمووارتقا کا محرک رہا ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ہندوستان نے آزادی کے بعد کے مرحلے میں تنوع میں وحدت پر عمل اور اس کو پروان چڑھانے میں کامیاب رول ادا کیا ہے۔ یہ اصول محض ایک نعرہ نہیں ہے بلکہ ہندوستانی زندگی کی ایک سچائی ہے۔ ہندوستانی سماج نے رواداری اور ایک دوسرے کے احترام کی راہ کو اپنا کر ترقی کی داستان رقم کی ہے۔ملک اور سماج کی حیثیت سے اس خوبی کو ہندوستان کے اہم اوصاف میں شمار کیا جانا چاہیے۔ ہندوستان کے کشادہ ذہن رکھنے والے طبقات بشمول حاشیہ پر رکھے گئے گروہ ملک کی غالب اکثریت سے بہرہ ور ہیں اور ان قدروں پر اعتماد رکھتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دنیا اس بات کی خواہاں ہے کہ نئے انداز فکر اور طرز رہائش کے نئے طور طریقوں کے لیے گنجائش فراہم کی جائے، ان جیسے چیلنجز کا تقاضا یہ ہے کہ بہتر مستقبل کی تخلیق میں مساوات، انصاف اور بھائی چارے کو پروان چڑھانے کے

سلسلہ میں حقائق کو ذہنی اور نفسیاتی قبولیت حاصل ہو۔ اس مقولے پر یقین کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اسے تو ہر شخص کو ایک دستوری فریضے کی حیثیت سے اپنانا چاہیے۔ یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ہندوستانی تنوع اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی ایک گروہ حکمرانی کرے یا غالب ہو۔ ہندوستانی سیاست کی حالیہ تبدیلیاں مختلف گروہوں کے لیے مختلف طریقوں سے امکانات اور مواقع کے لیے عمل کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ انتخابی تکنیک اور سرگرمیوں سے متعلق محتاط مطالعہ اس نقطۂ نظر کو بآسانی ثابت کر دیتا ہے۔ یہ فلسفہ ''تنوع میں وحدت کی تخلیق'' کے قدیم اصول کو قوت بخشتا ہے۔ اس فلسفے کے خلاف ہر فکر ہندوستانی فلسفے، تہذیب اور دستور ہند کی تردید وانکار ہے۔ بہرحال اب وقت ہے کہ چیلنج کا مقابلہ کیا جائے اور پوری طاقت وعہد کے ساتھ جدوجہد کی جائے۔ اکثریت پرستی کا رجحان ہر شکل میں ہندوستانی نظام، اس کے فلسفے اور اس کی ثقافت کے لیے نقصان دہ ہے۔ کوئی سیاسی عمل اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ سماجی وثقافتی پس منظر کے بغیر رہ سکتا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کے سر اس بات کا سہرا بندھتا ہے کہ اس نے ان قدروں کو سربلند کرنے کی زبردست جدوجہد کی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس روح کے خلاف جو بھی چیز رونما ہو، قانون کے دائرے میں اس کی مخالفت ضروری ہے۔ اسی سیاق میں آئی او ایس نے اپنے قیام وعمل کے ۳۰ سال مکمل ہونے پر تقریبات کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔ ان تقریبات میں اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ تعلیم، تاریخ، قانون اور اسلامی مطالعات کے چار اہم میدانوں پر سیر حاصل گفتگو ہو۔ منتظمین کو اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ ان افکار کے ساتھ انصاف کیا جائے اور ان سے متعلق متعین نکات پر تفصیل سے گفتگو کی جائے۔ ہندوستانی سماج کے حاشیہ پر رکھے گئے طبقات کی راحت رسانی اور ان کے تحفظ اور ان طبقات کو بااقتدار بنانے کے لیے نئی حکمت عملی کو روبہ عمل لانے کی جدوجہد کے نقطۂ نظر سے آئی او ایس نے ہمیشہ اس بات کے لیے انتھک کوششیں کی کہ ان میدانوں میں نیا طریقۂ کار، نئی حکمت عملی اور نئی پالیسی کو پروان چڑھایا جائے۔

قانونی اور عدالتی نظام کا تعلق ہمارے معاشرے کے حال سے بھی بہت گہرا ہوتا ہے اور مستقبل سے بھی۔ یہ لوگوں کو سکون واطمینان فراہم کرنے کا بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔ ہندوستان کا قانونی ڈھانچہ دنیا کے سامنے ایک مثالی قانونی نظام کی حیثیت سے پیش کیے جانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ اپنے دیباچے، بنیادی حقوق اور دستوری دفعات پر مبنی ایک جامع دستور رکھتا ہے۔ اس لیے آج یہ شعبہ ہماری فوری توجہ کا مستحق ہے۔ ملک کو مختلف طبقات میں تقسیم کرنے کی کوشش اور عدالتی نظام اس بات کے مستحق ہیں کہ ان پر از سرنو غور کیا جائے۔ ورنہ حالات بتا رہے ہیں کہ ہندوستانی عوام خود کو ایک خطرناک صورت حال سے دوچار پائیں گے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ پریشان حال انسانیت کو سکون پہنچانے کے لیے ان پہلوؤں پر کام کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قانون کا استعمال مخصوص نظریات کو راسخ کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے خاص طور پر اسلام اور مسلم مخالف قوتوں کی جانب سے۔ اس صورتحال سے نپٹنے کے لیے مؤثر اقدامات کی ضرورت ہے۔

آئی او ایس اس بات کے لیے زبردست جدوجہد کرتا رہا ہے کہ مساوی حقوق، خیرسگالی، بھائی چارہ اور ہم آہنگی پر مبنی سماج کی تعمیر کی جائے۔ یہ ہم آہنگی اسی وقت ممکن ہے جب ایک منصفانہ نظام کے قیام کے لیے مشترکہ کوششیں ہوں۔ اسی لیے ۳۰ سالہ

تقریبات کے سلسلے کے اس دوسرے اجلاس میں قانون پر توجہ مرکوز کی گئی ہے، جس میں ملک کے ممتاز ماہرین قانون، حقوق انسانی کے ماہرین اور سماجی کارکنان کو ملک بھر سے مدعو کیا گیا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نے ہندوستان میں قانون کے درج ذیل تصورات کو اپنی توجہ کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا ہے:

(1) اقلیات کے حقوق کے تحفظ کی دستوری ضمانت

(2) اقدام اور حکومت کے لیے ریاستی پولیس کا استعمال

(3) اقلیات کے تعلیمی وحفاظتی حقوق کا تحفظ اور ثقافت کا ارتقاء

(4) مجرمانہ انصاف پر مبنی انتظامیہ

(5) اقلیات کو عدم تحفظ اور خطرات کا سامنا